مولانا عتیق الرحمان سنبھلی

ستر و حجاب

عورت کے بنیادی کردار کا فطری تقاضا

مئی ۱۹۹۲ء کی بات ہے، دہلی سے بمبئی (حال ممبئی) کا ایک سفر برادر عزیز میاں سجاد صاحب کی معیت میں ٹرین سے ہوا۔ چار آدمیوں والے کیبن میں ہم دو کے علاوہ دو غیر مسلم ہم سفر تھے۔ ایک ہندو اور ایک سکھ۔ تیسرے پہر کو یہ سفر شروع ہوا تھا۔ شام ہوئی، رات گزری، دن نکلا۔ ناشتے کا وقت ہوا تو اخبار، رسالے بیچنے والا ایک لڑکا بھی کیبن میں آگیا۔ میاں سجاد نے انڈیا ٹوڈے وغیرہ کوئی رسالہ خریدا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب مجاہدین افغانستان کابل میں داخل ہوگئے تھے۔ اور وہ مغربی طاقتیں جنہوں نے ان کو روس کے خلاف لڑنے کے لیے ہر طرح کی مدد دی تھی۔ اب اس خطرے کا سد باب کرنے میں لگ گئی تھیں کہ کہیں ان لوگوں کے ذریعہ ایک ٹھیٹ اسلامی حکومت کابل میں نہ قائم ہو جائے۔ چنانچہ اب مغربی میڈیا (ذرائع نشر و اشاعت) نے ان کو اب مجاہدین کہنا بند کر دیا تھا۔ اور ایسی خبریں ان کے بارے میں نمایاں کی جانے لگی تھیں جن سے عالمی رائے عامہ کو ان کے خلاف چوکنا کیا جا سکے۔ غالباً اس دن کے خریدے جانے والے اس انگریزی رسالے میں بھی کچھ ایسی چیزیں آئی تھیں جن کی بنا پر ہم دونوں بھائی ناشتے کے بعد کچھ اس موضوع (یعنی مغربی طاقتیں اور عالم اسلام نیز ہندوستان وغیرہ) پہ باتیں کرنے لگے۔

ہمارے غیر مسلم ہم سفروں کے درمیان ایسا کوئی رشتہ اور جوڑ نہ تھا کہ وہ بھی باہم گفتگو میں مشغول ہوتے۔ اس لیے قدرتی طور پہ ہماری بعض بعض باتیں شاید ان کے کان میں پڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ان دونوں ہمسفروں میں سے سردار جی نے ایک ذرا سا موقع پاکر کہا کہ آپ لوگ بڑی اونچی اردو میں باتیں کر رہے ہیں ورنہ ہم بھی کچھ سنتے۔ عرض کیا گیا کہ سردار جی ہمیں اندازہ نہ تھا کہ آپ کو ہماری باتوں میں دلچسپی ہوگی۔ معاف فرمائیں۔ اب ہم آپ کو بھی شریک سمجھ کر بات کریں گے۔ اس پر دیکھا کہ ہمارے دوسرے ہم سفر (ہندو بھائی) بھی متوجہ ہیں۔ جو سردار جی کے مقابلہ میں زیادہ تعلیم یافتہ اور کسی اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے نظر آتے تھے۔ اس لیے ان کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی گفتگو کا موضوع اور کچھ ضروری خلاصہ بتایا۔ خاص طور سے اس گفتگو کا یہ پہلو کہ ہندوستان میں اگرچہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بہت سی باتیں ہمارے لیے باعث تکلیف اور باعث تشویش تھیں، مگر ایک

بات بہت اچھی تھی کہ مغربی طاقتوں سے فاصلہ تھا، جن کی دوستی نہایت خطرناک ہے، جس کی تازہ ترین مثال افغانستان کا مقبرہ ہے۔ کہ کل کے دوست "مجاہدین" کے خلاف آج طرح طرح کے شوشے چھوڑے جا رہے ہیں، مگر افسوس کہ ہمارا ملک بھی اب ایک دم ان طاقتوں سے قربت کے راستے پر جا رہا ہے۔

اس گزارش کے بعد ہمارے ہندو ہمسفر بھائی نے ایک سوال نہایت تہذیب و شائستگی سے انہی شوشوں کے پس منظر میں اٹھایا، جو مجاہدین افغانستان کے خلاف ان دنوں چھوڑے جا رہے تھے۔ ایک شوشہ بالکل تازہ یہ تھا کہ مجاہدین کی حکومت نے اسلامی قانون کے مطابق حکم جاری کیا ہے کہ کوئی عورت بے پردہ نظر نہ آئے۔ سوال یہ اٹھایا گیا کہ عورت کے معاملے میں یہ جبر اسلام میں کیسے روا رکھا گیا ہے؟ سوال کا لہجہ واقعی حرف گیری کا تھا، اعتراض کا نہیں۔ اس کے جواب میں فوری طور پر جو بات ذہن میں آئی اور گزارش کی گئی اس کو آج کی صحبت میں ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ کچھ مفید نظر آتی ہے۔

عرض کیا گیا کہ اسلام میں ذاتی زندگی کے قوانین حکومتی احکامات سے نہیں نافذ ہوتے۔ یہ ایک فوجی حکومت کے مزاج کی بات ہے کہ اس طرح کا حکم (بشرطیکہ خبر صحیح ہو) جاری کر دیا گیا ہے، ورنہ اسلام ایسی باتوں کو حکم سے نہیں بلکہ تعلیم و تفہیم سے نافذ کرتا ہے۔ اور تعلیم و تفہیم کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں سے متعلق جو احکام ہیں ان کی براہ راست عورتیں خود مخاطب ہیں۔ یہ نہیں کہ مردوں سے کہا گیا ہو کہ تم ان پر یہ احکام مثلاً پردہ وغیرہ بزور جاری کرو۔ اتنی بات پر ان صاحب کے تاثر سے ظاہر ہوا کہ جیسے ان کی ایک گرہ کھلی۔ اور وہ گویا یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام عورتوں کی بابت مردوں کے ہاتھ میں ڈنڈا تھما دیتا ہے کہ وہ انہیں بزور اللہ کے احکام کا پابند کریں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا کہ اب رہی یہ بات کہ سر سے پیر تک پردے والا حکم ہی غیر مسلم دنیا کے لیے (خاص طور سے جدید غیر مسلم دنیا کے لیے) ناقابل فہم اور گویا عورت کے لیے ایک قید و بند کا درجہ رکھنے والا حکم ہے تو اس بارے میں عورت کی حیثیت اور انسانی معاشرے میں اس کے بنیادی کردار پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ عورت کا بنیادی کردار امومت (ماں بننا اور MOTHER HOOD) ہی تو ہے۔ یہ کردار کم از کم ہم مشرق والوں کے معاشرے میں جو عزت اور احترام کا مقام عورت کو عطا کرتا ہے اس کے بارے میں تو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسی کردار کی وجہ سے کم از کم اسلام نے تو جنت ہی اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دی ہے۔ لیکن جب ہر عورت ہی (یعنی صنف عورت کا ہر فرد) اپنے اصلی فطری اور بنیادی کردار کے اعتبار سے "ماں" ہے، چاہے اس نے ماں بننے کی عمر میں بھی ابھی پوری طرح قدم نہ رکھا ہو۔ اور دوسری طرف اس کے بنیادی کردار امومت کی ادائیگی کے لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ انسانوں کی دوسری صنف (یعنی مرد) میں صنف عورت کی طرح شہوانی رغبت (SEXUAL INC-LINATION) بھی ان کے خالق کی طرف سے رکھ دی جائے تو معاشرے میں عورت کے لیے عزت و احترام

کی کیفیت قائم ہونے کی اس کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں نظر آتی کہ ایک طرف مردوں کی صنف کو ہدایت ہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور دوسری طرف عورت ذات کو حکم ہو کہ وہ ایسے انداز، لباس اور چال ڈھال کے ساتھ باہر نکلے کہ مردوں کی نگاہیں بھی خواہ مخواہ ازراہِ احترام جھکنے پر مجبور ہو جائیں۔

پس یہی اصل پردہ ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے اور اس میں جو ایک پابندی اور دقت کی بات نظر آتی ہے وہ تو ہر باعزت پوزیشن، مرتبے اور (STATUS) کو ملحوظ رکھنے (MAINTAIN) کرنے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ میری اپنے معاشرے میں ایک تھوڑی بہت عزت کی پوزیشن اور منزلت ہے، جس کی بنا پر میں بہت سی ایسی باتوں سے بچنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں، جس کے لیے ایک دوسرا آدمی کوئی مجبوری نہیں محسوس کرے گا۔ آپ کی شخصیت سے بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ یقیناً اپنے اوپر ایسی بہت سی پابندیاں عائد کرنے پر مجبور ہوں گے، جن پر آپ دیکھتے ہوں گے کہ دوسرے بہت سے لوگ مجبور نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر میں چلتے پھرتے کچھ کھانا پینا پسند نہیں کروں گا۔ خواہ کیسی ہی بھوک پیاس لگی ہو۔ میرا خیال ہے آپ بھی یقیناً ایسے ہی ہوں گے، ہمارے شہروں میں راہ گیروں کے لیے پیشاب خانے بنے ہوتے ہیں، لوگ فراغت کرتے ہی ہیں اور آپ اپنے معاشرتی اسٹیٹس کے خیال سے آمادہ نہیں ہو سکتے کہ یوں سرِعام فراغت کریں۔

پس پردے کے مفہوم میں جو پابندیاں پنہاں ہیں وہ عورت کے اس خداداد کردار کا فطری "تقاضہ" ہیں، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا۔ اسے ماں بننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ہم مردوں کو لازم ہے کہ اس کو اس کے بچپن سے اسی نظر سے دیکھیں اور اس کو لازم ہے کہ جیسے ہی شعور کی سِن کو پہنچے اپنے انداز، اطوار اور لباس سے ماں والے تقدس کا ہالہ اپنے اردگرد قائم کرے۔ یہی اسلام چاہتا ہے۔ کون نہ چاہے گا کہ اس کی ماں کا معاملہ ٹھیک اسی طرح کا ہو۔؟

اس گفتگو میں جو سوچ سوچ کر ایسے الفاظ کے ساتھ تھی جسے یہ مخاطب بخوبی سمجھ سکیں ۔۔۔ میرٹھ سے کچھ پہلے کا وہ اسٹیشن جس پر ہمارے ہندو ہمسفر بھائی کو اترنا تھا آنے لگا۔ بات پوری ہو گئی تھی۔ انہوں نے اترتے ہوئے فرمایا کہ کچھ ایسی کتابیں بتائیے جس میں اسلام کو اس طرح سمجھایا گیا ہو۔ اور اس بات کا انداز صرف شریفانہ ہی نہیں ایسا عقیدت مندانہ تھا جیسے ٹھیک ٹھیک اسلام سے عقیدت پیوست ہو گئی۔ پس اسلام میں الحمدللہ آج بھی تاثیر کی کمی نہیں۔ اگرچہ ہم جیسوں کی زبان کا تیج ہو۔! (الفرقان مئی ۶۳ء)